جلسہ سالانہ کے موقع پر رضا کارانہ خدمات کے لئے احباب اپنے نام پیش کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍دسمبر ۱۹۷۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

جلسہ سالانہ کی بہت سی ضروریات ہیں۔ ایک تو میں نے مکانوں کے متعلق دوستوں کو کہا تھا کہ وہ جہاں اپنے عزیز و اقارب کے لئے اپنے مکانوں میں جگہ بناتے ہیں وہاں ان احمدی خاندانوں کے لئے بھی جنہیں بعض مجبوریوں کی بنا پر بیوی بچوں کے ساتھ اکٹھے ٹھہرنا پڑتا ہے ان کے لئے بھی کمرے خالی کریں۔ اسی طرح میں نے کہا تھا کہ بیرون ملک سے آنے والے وفود کے لئے ان کے مناسبِ حال گنجائش موجود ہونی چاہیئے۔ اس کے متعلق تو مجھے رپورٹ ملی ہے کہ دوستوں نے کافی کمرے بیرون ملک سے آنے والے وفود کے لئے پیش کئے ہیں۔ اب منتظمین دیکھیں گے کہ کونسے مناسب ہیں اور وہ ان کمروں کو استعمال کریں گے اور اگر کوئی مناسب نہ ہوئے یا ضرورت سے زائد ہوئے تو ان میں دوسرے مہمان ٹھہرا دیئے جائیں گے۔

اب سال بہ سال یہ ضرورت بڑھتی چلی جائے گی۔ اس لئے ایک تو ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مرکز کی طرف سے مہمان خانہ ان لوگوں کے مناسب حال بنوانے کا ارادہ رکھتے ہیں جس میں کھانے اور بیٹھنے کے کمروں کے علاوہ آٹھ رہائشی کمرے ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مجالس انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کوشش کریں اور ہمت کریں تو یہ بھی تین یا چار سونے کے کمروں والے مہمان خانے اپنی تنظیم کے ماتحت ایسے بنا سکتے ہیں کہ جلسہ سالانہ کے

موقع پر یا بعض دیگر ضروریات کے مواقع پر انہیں بھی سلسلہ کے کاموں کیلئے استعمال کیا جاسکے۔

اس کے علاوہ رضا کاروں کی ضرورت ہے جو سال بہ سال بڑھتی چلی جارہی ہے۔ سال بہ سال آبادی میں بھی اضافہ ہورہا ہے لہذا یہ ضرورت پوری ہوجانی چاہیئے۔

میرے نزدیک رضا کارانہ خدمت کے معیار میں کچھ کمی واقع ہوگئی ہے۔ جو معیار احمدی بچوں اور نوجوانوں نے اس زمانہ میں قائم کیا تھا جب ہم بھی بچے تھے وہ معیار اب قائم نہیں رہا۔ اُس وقت چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی اور خدمت سمجھی جاتی تھی۔ اب تو تقسیم اوقات کر کے رضا کاروں کا ایک حصہ ایک وقت میں دفتر میں کام پر ہوتا ہے اور دوسرا حصہ دوسرے وقت میں کام پر ہوتا ہے۔ کسی نے یہ نہیں سوچا کہ اس طور پر جتنے گروہ بنائے جائیں گے اسی نسبت سے زیادہ رضا کاروں کی ضرورت ہوگی اور اتنی ہی ثواب میں کمی واقع ہوجائیگی۔ پہلوں نے جو ثواب حاصل کیا آج کا بچہ یا نوجوان وہ ثواب حاصل نہیں کررہا اس کی فکر کرنی چاہیئے۔ اسے خود بھی اور اس کے اساتذہ اور ماں باپ کو بھی۔ اساتذہ کی بھی ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ والدین کی بھی اور جملہ تنظیموں کی بھی ذمہ داری ہے۔ آج کے نوجوانوں کو جب تک ثواب کے زیادہ سے زیادہ مواقع میسر نہیں آتے رہیں گے تو انہیں سلسلہ عالیہ احمدیہ کی دن بدن بڑھتی ہوئی عظیم ذمہ داریوں کے نباہنے کی تربیت کیسے حاصل ہوگی۔

اگر رضا کار زیادہ تندہی سے کام کریں تو جس کام کیلئے زیادہ تعداد میں نوجوانوں کی ضرورت ہوگی وہی کام کم تعداد ہی انجام دے سکے گی۔ بہرحال مہمانوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں کچھ رضا کار ایسے دیئے ہیں جو سارا سال ہی ایک اعلیٰ معیار پر دینی کام کرتے رہتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی رضا کار ہیں جو سارا سال بظاہر تو سستی دکھاتے ہیں لیکن جلسہ سالانہ کے موقع پر بہت چست ہوجاتے ہیں اور بڑی تندہی سے کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی اس خدمت کو قبول کر کے انہیں یہ جزا بھی دے کہ سارا سال بھی وہ اُونگھنے کی بجائے بیدار ہوکر خدا تعالیٰ کے سلسلہ کے کاموں میں مشغول رہیں۔

ایک ضرورت اور بھی بنیادی اور حقیقی ضرورت ہے اسلام اور امت محمدیہ کی۔ باقی سب ضرورتیں اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نے اس کی

ذمہ داری ہم پر ڈالی ہے اور اس کی اہمیت اس قسم کے اجتماعات میں اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اسلام نے ضیاع کو پسند نہیں کیا اور اس کو بہت برا سمجھا ہے اور ایک مسلمان اور امت محمدیہ کے پاس ایک دھیلہ بھی ضائع ہونے کیلئے نہیں ہے۔ ہر دھیلہ صحیح مصرف پر خرچ ہونا چاہیئے اور زیادہ سے زیادہ اسکی قیمت ہمیں ملنی چاہیئے اور یہ بھی ایک منبع برکت ہے جو لوگوں کو حیران کرتا ہے مثلاً ۵۴-۱۹۵۲ء کی بات ہے ہمارا تعلیم الاسلام کالج بن رہا تھا تو کچھ حاسد اور متعصب بھی تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ لاہور میں جو ٹوٹی پھوٹی ڈی اے وی کالج کی عمارت صدر انجمن احمدیہ کو ملی ہے وہ بھی واپس چھن جائے لیکن ہم سے پیار کرنے والے ہم پر شفقت کا ہاتھ رکھنے والے بڑی دور کی سوچنے والے بھی تھے یعنی حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ چاہتے تھے کہ جلد ہی ربوہ میں کالج آ جائے تا کہ نوجوانوں کی صحیح تربیت ہو سکے دونوں کی اختلافِ نیت کے باوجود خواہش ایک ہی تھی اور چونکہ اس عاجز پر اس وقت کالج کی ذمہ داری تھی اسلیئے بڑی دوڑ دھوپ کرنی پڑ رہی تھی کہ کسی طرح ایسے سامان پیدا ہو جائیں کہ ہم جلد ربوہ منتقل ہو سکیں۔ اس وقت جو وزیر تعلیم تھے ان سے ہمارا تعلق تھا میں ان کے پاس گیا۔ میں نے کہا کہ کالج تو بہر حال ایک قومی ضرورت ہے۔ آپ نے تقسیم ملک کے بعد ایک نقشہ کے مطابق دو جگہ کالج بنائے ہیں۔ آپ وہ نقشے مجھے دے دیں اور جتنی رقم آپ کی خرچ ہوئی ہے اس کا چالیس فیصد دے دیں تو آپ کو جو لوگ آئے دن تنگ کرتے رہتے ہیں کہ احمدیوں کو لاہور سے نکالو تو آپ ان لوگوں کے اس دباؤ یا ایذاء سے بھی بچ جائیں گے اور ہمارا کالج بن جائے گا اور آپ کو یہ بھی پتہ لگ جائے گا کہ آپ نے جو کچھ خرچ کیا س کا ساٹھ فیصد کہاں گیا کیونکہ انہی نقشوں کے مطابق چالیس فیصد کے خرچ کے ساتھ میں عمارت بنوادوں گا۔ وہ ہنس کر مجھے کہنے لگے کہ وہ تو ہمیں پہلے ہی پتہ ہے کہ ساٹھ فی صد رقم کہاں جاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کو ہم رقم دینے کے لئے تیار نہیں لیکن وہ تو میں نے ایک بات ان سے کہی تھی۔ میں ایک چیز ان پر ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے پیسے ملنے تھے۔

پھر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیسے میں اتنی برکت ڈالی کہ آج تک خود مجھے بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ ان پیسوں میں یہ

کالج کیسے بن گیا اور باہر کسی سے بات کریں تو وہ مانتا ہی نہیں۔

ایک مرتبہ ایک مرکزی وزیر آئے۔ انہوں نے کہا یہ سارا ربوہ جس کے متعلق تم کہتے ہو کہ جماعت احمدیہ نے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر بنایا ہے یہ میں نہیں مانتا۔ ضرور حکومت نے کئی کروڑ روپے کی امداد آپ لوگوں کو دی ہوگی۔ خیر ان سے کہا گیا کہ یہ تو آپ کو پتہ ہونا چاہیئے کہ آپ وزیر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک دھیلہ بھی ہمیں حکومت نے نہیں دیا نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے غیرت بھی دی ہے اور اخلاص اور برکت بھی دی ہے۔ ہمیں مانگنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس جو بھی غریبانہ سامان ہوتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ اتنی برکت ڈالتا ہے کہ دوسروں کو حیرت ہوتی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضیاع سے بچنے پر اتنا زور دیا ہے کہ ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ کھانا کھاتے وقت اپنی رکابی میں اتنا ہی کھانا نکالو جتنا کھا سکو۔ ایک لقمہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔ اس بنیادی حکم کا تعلق ہر شعبۂ زندگی سے ہے۔ ہمارے جلسہ سالانہ کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہے۔ جلسہ کا نظام وسیع ہے اس میں بڑی وسعت ہے اور اس میں ہر قسم کی نگرانی ہے۔ جلسہ کے نظام کی نوعیت یہ ہے کہ ضیاع سے بچنے کے لئے بہت بڑی جدوجہد اور بڑے پیمانہ پر نگرانی کی اور چوکس اور بیدار رہ کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اجتماعی قیامگاہوں کے منتظمین کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کس وقت کے کھانے پر کتنے مہمان آئیں گے وہ اپنی طرف سے یہ سوچتا ہے کہ اس جگہ پچھلے سال اسی وقت پچاس مہمان آئے تھے۔ اس مرتبہ ممکن ہے ساٹھ یا ستر آ جائیں؟ وہ ساٹھ ستر کا کھانا منگواتا ہے۔ وہ ستر کس کا کھانا اس نیت کے ساتھ منگواتا ہے کہ مہمانوں کو تکلیف نہ ہو لیکن وہاں ساٹھ مہمان پہنچتے ہیں۔ اب دس کس کا کھانا اس کے پاس بچ رہتا ہے۔ تو کوئی ایسا انتظام نہیں کہ اس کھانے کو ضیاع سے بچایا جاسکے۔ اس لئے اس ہنگامی صورت کے متعلق جلسہ کے منتظمین کو سوچنا چاہیئے کہ مہمان کو تکلیف بھی نہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پورا ہو جائے کہ امت محمدیہ کو ایک لقمہ بھی ضائع کرنے کیلئے نہیں دیا گیا۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ تمہیں خدا تعالیٰ بہت دے گا۔ کیا قیصر اور کسریٰ کے خزانے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپ کے غلاموں کے قدموں میں لا کر نہیں ڈالے گئے تھے؟ لیکن اس کے باوجود یہ حکم ہے کہ ایک لقمہ بھی کھانے کا ضائع نہ ہو اس کا خیال رکھیں۔ آج مثلاً امریکہ بعض دفعہ اس بات پر فخر کرتا ہے اور ایسی باتیں شائع ہوئی ہیں کہ امریکہ اتنا کھانا ضائع کرتا ہے کہ ایک وقت کے کھانے کا ضیاع دنیا بھر کے لوگوں کا ایک وقت میں پیٹ بھر سکتا ہے۔ یہ کوئی فخر کی بات ہے؟ یہ تو شرم کی بات ہے لیکن ہمیں اس بات پر فخر نہیں کرنا۔ ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق اس بات پر فخر ہونا چاہیئے کہ ہمیں ایک لقمہ بھی ضائع کرنے کے لئے نہیں دیا گیا۔ ہمیشہ ہی اس طرف توجہ ہوتی ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش ہے اور اس لئے کہ آپ کا یہ حکم ہے کہ میری امت کا کوئی لقمہ بھی ضائع نہ ہو اور پھر اب وقت کی ضرورت بھی ایسی آپڑی ہے مہنگائی اتنی بڑھ گئی ہے کہ میں حیران ہو گیا جب ایک کاغذ میرے سامنے یہ آیا کہ مہنگائی کی وجہ سے اس جلسہ سالانہ کے خرچ کے لئے ایک لاکھ بتیس ہزار روپیہ زائد منظور کیا جائے اور پھر صدر انجمن نے اس پر غور کیا اور اعداد و شمار دیکھے کہ کن کن شقوں میں خرچ زیادہ ہے۔ گندم کی قیمت بڑھ گئی اور اگرچہ مصنوعی گھی کی پیداوار سو فیصد بڑھ گئی ہے لیکن اسکی قیمت بھی سو فیصد بڑھ گئی۔ یہ تو الٹے کام ہو رہے ہیں حکومت کو اس طرف توجہ دینی چاہیئے۔ میرے خیال میں آج بھی صبح کوئی خبر تھی کہ بناسپتی گھی کی پیداوار سو فیصد بڑھ گئی ہے لیکن چونکہ یہ گھی ملک سے باہر سمگل ہونے لگ گیا ہے اس لئے اس کی قیمتیں معمول پر نہیں آرہیں اور اس لئے لوگوں کو گھی میسر نہیں آرہا۔ یہ اعلان ہو جانا تو بڑے شرم کی بات ہے اور یہ کوئی عذر معقول تو نہیں مگر حکومت کی طرف سے یہ عذر ہو کہ ہم کیا کریں ہم نے تو پیداوار دوگنی کر دی تھی لیکن لوگ باہر لے جا رہے ہیں تو یہ عذر کسی معقول آدمی کے نزدیک عذر معقول نہیں۔ حکومت اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ہماری کوئی چیز ناجائز طور پر ملک سے باہر جانے نہ پائے اور اگر جاتی ہے تو وہ کوتاہی ہے۔ حکومت سے یہاں مراد حکومت کی ساری مشینری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کابینہ کی کوشش کے باوجود ایسا ہو رہا ہو، ہوسکتا ہے ایسا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے ممکن ہے کہ کوئی ڈپٹی کمشنر اس کا ذمہ دار ہو یا کوئی پولیٹیکل ایجنٹ اس کا ذمہ دار ہو یا کوئی تحصیلدار اس کا ذمہ دار ہو، چھوٹا ذمہ دار ہو یا بڑا ذمہ دار ہو قوم کو اس سے کیا تعلق؟ قوم تو

مطالبہ کرے گی کہ جو چیز ہماری ضرورت کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بنائی گئی ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ پیدا کرنے سے یہ نہ کوئی سمجھ لے ہم پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اس نے فضل کیا کہ ہمارے لئے وہ سامان پیدا کئے کہ ہم بناسپتی گھی کی پیداوار کو دوگنا کر دیں) لیکن حکومت کی مشینری اتنی ناقص ہے کہ لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ گھی کی پیداوار سو فیصد بڑھنے کے باوجود کمی ہے۔ ضرورت پوری نہیں ہو رہی اس لئے کہ سمگل ہو جاتا ہے یا تو یہ خبر حکومت کے دشمنوں نے اڑائی ہے اگر ایسا ہے تو قوم کو پتہ لگنا چاہیئے لیکن اگر سمگل نہیں ہو رہا تو پیداوار دگنی ہو جانے کے باوجود وہ پیداوار کہاں جاتی ہے؟ اور اگر یہ واقعی سمگل ہو رہا ہے تو حکومت کی بڑی غفلت ہے انہیں اس طرف توجہ دینی چاہیئے۔ پیچھے یہ خبریں بھی سننے میں آتی رہیں کہ (پہلی حکومتوں میں بھی) جی اتنے کروڑ کی چینی باہر سے منگوائی گئی وہ لوگوں کو ملی نہیں اور سمگل ہوگئی۔ اگر ہمارا معاشرہ چھلنی کی طرح ہے کہ اس میں جو مائع بھی پڑے وہ نیچے کی طرف بہہ جاتا ہے تو پھر چینی وغیرہ باہر سے نہ منگواؤ۔ اگر چینی یا گھی قوم کو پھر بھی نہیں ملنا تو درآمد ہی نہیں ہونی چاہیئے یا پھر ایسا کام کرو جس سے سمگلنگ کا سدباب ہو جائے بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ حکومت کے کارندوں میں سے جو بھی اس کا ذمہ دار ہے وہ بڑا ظالم ہے اور جو اس سے بالا افسر ہیں وہ بڑے غافل ہیں۔ ان کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے یہ ساری قوم کا مطالبہ ہے جس کا ایک حصہ جماعت احمدیہ کے افراد بھی ہیں۔

لیکن جماعت کا اپنے نفس سے یہ مطالبہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میری امت کو ایک لقمہ بھی اس لئے نہیں دیا جائے گا کہ وہ ضائع کر دیا جائے۔ اس حکم پر عمل ہونا چاہیئے اسلئے کہ آپ کے اس ارشاد اور ہدایت اور خواہش کے مطابق ہمیشہ ہی خصوصاً جلسہ سالانہ کے موقع پر اور خصوصاً اس جلسہ پر جب ہمارے بجٹ سے (جو پہلے سے بہر حال زیادہ تھا اس سے بھی) تقریباً ساٹھ فی صد زائد خرچ متوقع ہوگیا۔ اس وجہ سے کہ ہر چیز کی قیمت بڑھ گئی ہے اپنے خرچ کو کم کرنے اور بچت کرنے اور پیسے کی حفاظت کرنے کی ایک صورت جیسا کہ میں نے کہا یہ بھی ہے کہ کوئی کھانے کا ایک لقمہ بھی ضائع نہ ہو۔ اسی طرح کوئی ایک قطرہ بھی مٹی کے تیل کا ضائع نہ ہو، کوئی ایک لکڑی ایندھن کی ضائع نہ ہو، مٹی کا ایک پیالہ بھی

تقسیم کے وقت ضائع نہ ہو یعنی ہر ایک چیز میں احتیاط برتو اور کم سے کم خرچ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ہم نے ایک توازن کو قائم رکھنا ہے۔ توازن یہ قائم ہونا چاہیئے کہ مہمان کو ہر قسم کی تکلیف سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے جماعت کو ہر قسم کے ضیاع سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

دوسرے اس مہنگائی کے نتیجہ میں قوم کو جن تکالیف کا سامنا ہے ان کا علاج بھی ہمیں سوچنا پڑے گا۔ جب چیزیں مہنگی ہو جائیں تو سب سے زیادہ تکلیف اس طبقہ کو ہوتی ہے جس کی ماہوار آمدنی محدود اور معیّن ہو یعنی دوسو روپے یا پانچ سو یا ہزار روپے جس کی آمد ہے اگر مجموعی طور پر اشیا کی قیمتیں دوگنی ہو جائیں تو اس شخص کی قوت خرید پہلے کے مقابلہ میں پچاس فی صد یعنی نصف رہ جائے گی اور گھر کی ضرورت اور عادتیں (کچھ اخراجات عادتیں کرواتی ہیں کچھ اخراجات ضروریات کرواتی ہیں) وہ ضروریات اگر بڑھی نہیں تو کم از کم اتنی ہی رہیں گی جتنی تھیں۔ اگر بچہ پیدا ہو گیا ہے تو ضروریات بڑھ گئی ہیں اور اگر کوئی بچہ خاندان میں پیدا نہیں ہوا تو نہیں بڑھیں اگر ایک بچہ سکول میں جانے کے قابل ہو گیا ہے تو ضرورت بڑھ گئی۔ اگر سارے بچے پہلے ہی سکول جا رہے تھے تو ضرورت نہیں بڑھی (غرضیکہ اس کی تفصیل لمبی ہے) لیکن بہرحال سب سے زیادہ تکلیف وہ شخص اٹھاتا ہے جس کی آمد محدود اور معین ہو کہ ہر مہینے اتنی آمد ہے اور اجناس کی قیمت بڑھ گئی ہے گندم کی، روئی کی، ایندھن کی قیمت بڑھ گئی، دالوں کی قیمت بڑھ گئی، میٹھے کی قیمت بڑھ گئی، گھی کی قیمت بڑھ گئی، سفر پر جانا ہے تو کرائے بڑھ گئے۔ نامعلوم گھی کی کیوں لوگوں کو عادت پڑ گئی ہے۔ تیل کھانا چاہیئے ہمارے ہاں پرانا محاورہ ہے کہ تیل کو اگر جلا لیا جائے تو وہ گھی بن جاتا ہے اور گھی زیادہ جل جائے تیل جتنا بھی نہیں رہتا اس کے اندر موجود بعض مفید اجزاء ضائع ہو جاتے ہیں اور تیل کے بعض مضر صحت اجزاء جلانے سے جل جاتے ہوں گے اور وہ اچھا ہو جاتا ہوگا۔ مصنوعی گھی کیا ہے؟ ہے تو وہ بھی تیل ہی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ تیل کو ایسی مشکل میں بنا کر جو گھی سے ملتی جلتی ہو استعمال کیا جائے؟ بنولے کا تیل ہے مونگ پھلی کا تیل ہے سویابین کا تیل ہے سرسوں کا تیل ہے توریا کا تیل ہے۔ ان تیلوں ہی سے گھی بنا دیا جاتا ہے اور آپ بڑے شوق سے کھاتے ہیں یوں آپ

کہتے ہیں کہ تیل نہیں کھانا اور یہ گھی کھانا ہے۔ یہ گھی ہے کیا چیز؟ تیل ہی تو ہے محنت کرو خالص اور صاف تیل حاصل کرو۔ احمدی دکاندار خالص چیز مہیا کریں اس تیل کو جلا کر رکھو اور استعمال کرو۔ دکاندار اگر تیل کے پکوڑے تل دے تو بچے شوق سے کھالیں گے اور ماں اگر تیل میں کھانا پکادے تو کہیں گے تیل کا کھانا ہم نے تو نہیں کھانا۔ پھر پکوڑے کھانے چھوڑ دیں دوکانوں سے چیزیں لے کر کھانا چھوڑ دیں۔ ہماری زندگی میں تضاد نہیں ہونا چاہیئے اور ایک احمدی مسلمان کی زندگی میں نامعقولیت نہیں ہونی چاہیئے۔ میں بتا رہا ہوں کہ جب اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں تو وہ شخص جس کی آمد معین ہے سب سے زیادہ تکلیف اٹھاتا ہے۔ مثلاً جماعت احمدیہ کے تنخواہ دار کارکنان ہیں ان کی تکلیف بڑھ جاتی ہے لیکن قیمتوں میں اضافہ کے نتیجہ میں قوم کے کچھ افراد ایسے ہیں جن کی آمدنیاں بڑھ جاتی ہیں مثلاً دکاندار ہیں۔ یہ ایک گہرا مضمون ہے میں ایک عام فہم مثال لوں گا۔ فرض کریں گھی کی قیمت میں پچاس فیصد اضافہ ہوگیا یعنی چار روپے کی بجائے چھ روپے سیر ہوگیا۔ اب ہمارا ایک احمدی دکاندار ہے اس کے پاس اگر سو سیر گھی پڑا ہے تو جب وہ نئی قیمت پر لائے گا تو پھر اس میں اس کے نفع کی نسبت پہلے کے مقابلہ میں اتنی ہی ہو جائے گی لیکن جو سو سیر گھی اس کے پاس پہلے پڑا ہے اس کے دو سو روپے تو اسے قیمت بڑھنے کے ساتھ ہی زائد مل گئے۔ اس طرح معمولی آمد سے زائد اس کو دو سو روپے کی آمد ہوگئی اور یہ دو سو کا سوال نہیں اس طرح پر کروڑوں روپے کا کاروبار ہو جاتا ہے۔ جو تاجر ہیں وہ قیمتیں بڑھنے سے یکدم امیر ہو جاتے ہیں۔ پھر میں نے غور کیا ہے زمیندار کی آمد میں بھی اضافہ ہوا ہے کیونکہ قیمتیں اگر اتنی نہیں بڑھیں جتنی اسکے خرچ میں اضافے کے ساتھ سے بڑھنی چاہیئے تھیں لیکن پھر بھی پہلے سے وہ زیادہ امیر ہوگیا۔ ایک اس لئے کہ اسے بیج اچھے ملنے لگ گئے اور اس کے فی ایکڑ کی پیداوار بڑھ گئی دوسرے اس لئے کہ مثلاً چاول ہے۔ اگرچہ جس نسبت سے حکومت نے چاول کے نرخ بڑھائے ہیں اس نسبت سے زمیندار کو فائدہ نہیں پہنچا لیکن فائدہ پہنچا ضرور ہے خواہ نسبت کم ہے اور حکومت کی یہ بڑی سخت غفلت ہے کہ گندم کی قیمت تو مقرر کرتی ہے لیکن ''جھونے'' (یعنی مونجی) کی قیمت مقرر نہیں کی جاتی۔ ایک زمیندار تو ''جھونا'' یعنی مونجی پیدا کرتا ہے وہ بغیر چھلکوں کے چاول پیدا نہیں کرتا۔ اس کی زمین

سے چھڑے چھڑائے چاول نہیں نکلتے کہ وہ بکنے کے لئے بازار میں چلے جائیں۔ ان کے اوپر چھلکا ہوتا ہے جس کو ''پھک'' کہتے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ مشین سے نکل کر چاول جو شکل اختیار کرتا ہے اس کی قیمت مقرر کی جاتی ہے۔ اب چاول کی قیمت بیالیس روپے سے باسٹھ روپے من تک چلی گئی ہے۔ بیس روپے بڑھ گئے اور یہ قیمت حکومت نے یہ کہہ کر بڑھائی کہ زمیندار کو اس سے فائدہ ہوگا لیکن بیچ میں جو کارخانہ دار ایک واسطہ آجاتا ہے اس نے کہا کہ پہلے ہمیں کچھ فی صد کھلی مارکیٹ کے لئے ملتے تھے اب نہیں مل رہے اس لئے ہم جھونے کی قیمت زیادہ نہیں بڑھائیں گے۔ چنانچہ جھونے کی قیمت جس نسبت سے بڑھنی چاہیئے تھی وہ نہیں بڑھی حالانکہ حکومت کو چاول کی قیمت اپنی خرید کے لئے مقرر کرنی چاہیئے حکومت زیادہ تر باسمتی چاول خریدتی ہے۔ تو باسمتی چاول جو اپنی اصل شکل میں ہے (یعنی چھڑائی کے بعد اس کی) قیمت خرید کا فائدہ حکومت کو ہوتا ہے زمیندار کو نہیں۔ حکومت نے اپنا فائدہ جو حاصل کرنا ہے اس کے لئے چاول کی قیمت مقرر کرنی چاہیئے اور زمیندار کو جو فائدہ پہنچانا ہے تو اس کے لئے جھونے کی قیمت مقرر کرنی چاہیئے۔ اور جھونے کی قیمت مقرر کر کے مل والوں سے باہمی مشورہ کے ساتھ انہیں مناسب نفع دے کر ان سے چاول خریدنا چاہیئے لیکن زمیندار کو بیچ میں سے چھوڑ دینا اور فرض کرنا کہ زمیندار کے ایکڑوں میں چاول پیدا ہوتا ہے یہ تو نادانی ہے۔ زمیندار کے ایکڑ جھونا پیدا کرتے ہیں یعنی چھلکے سمیت چاول اگاتے ہیں اور اس کی قیمت مقرر نہیں کی جاتی۔ بہر حال زمیندار کو اتنا فائدہ نہیں ہوا جتنا کہا گیا تھا کہ ہم پہنچانا چاہتے ہیں تاہم اس کو فائدہ ہوا۔ ضرور ہے اسلئے صدر انجمن اور جماعت احمدیہ کے دوسرے اداروں نے اپنے کارکنان کے گزاروں میں کچھ تھوڑا سا اضافہ کیا ہے۔ اس کو پورا کرنے کے لئے یا ہم اپنے کارکنوں کی تعداد کم کریں اور ان کی تنخواہوں کو باقیوں پر بانٹ دیں تا کہ ان کو تکلیف نہ ہو یا ہمارے وہ افراد جن کی آمد موجودہ گرانی کی وجہ سے کچھ بڑھ گئی ہے وہ اسی نسبت سے مالی قربانی بھی زیادہ دیں اور جو معقول گزارا ہونا چاہیئے کہ وہ بھوکے اور ننگے نہ رہیں اس کے مطابق ان کو گزارا ملنا چاہیئے اور اتنی آمد ان کی ہونی چاہیئے۔

اس وقت میں جلسہ سالانہ کی بات کر رہا ہوں۔ جلسہ سالانہ کا ایک بجٹ ہے۔ جلسہ سالانہ

کی ایک آمد ہے۔ آمد ہمیشہ بجٹ سے کم رہتی ہے۔ جماعت لازمی چندہ جات یعنی چندہ عام جو سولھواں حصہ آمد کا ہے اور حصہ آمد یعنی چندہ وصیت کی طرف زیادہ توجہ دیتی ہے اور اس لازمی چندہ کو جو ویسا ہی لازمی ہے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس کی اتنی ضرورت نہیں اب تو مہنگائی نے زیادہ ضرورت پیدا کر دی ہے اس کا احساس بڑا شدید ہو گیا ہے۔ پس جلسہ سالانہ کے مہمانوں کو تکلیف سے بچانے کے لئے اور یہ سارا خرچ پورا کرنے کے لئے پیسہ ہونا چاہیئے۔

اب یہ حال ہے کہ یہ ہمارا جلسہ گاہ جو سامنے ہے اس کی تعمیر نہیں ہو رہی کیونکہ پہلے ساری جلسہ گاہ پر خرچ کے لئے ہمارا بجٹ دس پندرہ ہزار روپے ہیں اور اب اینٹ کی قیمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ میرا خیال ہے کہ وہ ۲۵۔۲۰ ہزار روپے یا شاید اس سے بھی زائد صرف اینٹ کا خرچ ہے۔ بہر حال جلسہ گاہ کا خرچ پہلے سے کہیں زیادہ ہو گیا ہے گو جلسہ سالانہ کے دوسرے نظام سے یہ نظام قدرے مختلف ہے لیکن اس کا خرچ بھی بڑھ گیا۔

پس اگر مجبوراً جماعت کے اخراجات بڑھانے پڑے اور جماعت اس کا مطالبہ کرے کہ ایسے مخلص کو بھرتی کرو جو آدھا پیٹ بھر کر بھی یہاں کام کر سکیں اور اب اگر ان کی پچھتر فی صد ضرورتیں پوری ہوئی ہیں تو پھر صرف پچاس فیصد پوری ہوں تب بھی وہ یہاں کام کریں تو ٹھیک ہے ایسے مخلصین پیدا کرو جماعت ان کو لے لے گی۔ یا یہ ہے کہ جو کم از کم ہم گزارا دے رہے ہیں اتنا تو بہر حال لے کر کام کرنا چاہیے یہاں زید اور بکر کا سوال نہیں۔ یہ جماعت احمدیہ پر اجتماعی ذمہ داری ہے کہ جن سے وہ کام لیتی ہے ان کو کم سے کم ضرورت پوری کرنے کے لئے رقم گزارے کے طور پر دے اور جو کام کرنے والے ہیں ان پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بشاشت اور اخلاص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت چوکس اور بیدار رہ کر خدمتِ سلسلہ پر خرچ کریں جو بعض دفعہ وہ نہیں کرتے بہر حال دونوں طرف سے یہ ذمہ داریاں ہیں۔ جلسہ سالانہ کے خرچ میں ایک لاکھ بتیس ہزار کا یہ اضافہ اور دوسرا پہلے کا بجٹ جو مجھے صحیح یاد نہیں وہ بھی کافی ہے۔ یہ شاید پونے دو لاکھ کے قریب خرچ بڑھ جائے گا۔ اتنی آمد بھی ہونی چاہیئے جلسہ سالانہ کا جو تشخیص شدہ بجٹ ہے اس کے مطابق ایک تو جماعت کو ادا کرنا چاہیئے دوسرے جو زمیندار جماعتیں ہیں ان کو خاص طور پر یہ سوچنا چاہیئے کہ چونکہ اشیاء کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں۔ ان میں وہ

اشیاء بھی ہیں جنہیں وہ پیدا کرتے ہیں اور جس اضافہ کے نتیجہ میں ان کی آمد بڑھ گئی ہے اس میں وہ خدا تعالیٰ کے کاموں کو چلانے کے لئے پہلے سے زیادہ قربانی دیں زیادہ قربانی بظاہر نظر آئے گی لیکن نسبت وہ وہی قائم رکھیں۔ جتنی ان کی پہلے آمد تھی اور جو نسبت اس آمد کے اعتبار سے مالی قربانی کی انہوں نے مقرر کر رکھی تھی اسی نسبت سے آمد کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اب دیں تو اس سے جماعت کو زیادہ چندہ حاصل ہو جائے گا۔ آمد بڑھ جائے گی۔ ان کی قربانیاں کمیت کے لحاظ سے تو بڑھ جائیں گی لیکن کیفیت کے لحاظ سے ان کی قربانی تو نہیں بڑھے گی کیونکہ پہلے اگر وہ آمد کا چھ فیصد یا ۱۰ فیصد دیتے تھے تو اب بھی یہی نسبت رہے گی لیکن اس وقت کے لئے جب تک نئی فکسیشن (Fixation) نہیں ہو جاتی انسان مخلص ہونے کے باوجود عدم توجہ کے نتیجہ میں اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برت رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو معاف فرمائے اور اس طرف توجہ کرنے کی توفیق عطا کرے۔ بہر حال جلسہ کے اخراجات بڑھ گئے ہیں اور اس کے لئے ایک تو ہمیں فوری طور پر عملی قدم اس جلسہ پر اٹھانا چاہیئے کہ کوئی ضیاع نہیں ہونا چاہیئے جو گھروں میں کھانا لانے والے ہیں یا جو اجتماعی قیامگاہوں میں کھانا کھلانے کے منتظمین ہیں وہ بڑی احتیاط کریں۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جو ٹکڑے بچیں ان کو بھی سنبھال کر رکھیں۔ پرسوں مجھے باہر سے ایک دوست کا خط آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آرہا تھا تو میں نے دیکھا کہ جلسہ کے دنوں میں بہت سے فقیروں نے روٹیوں کی بوریاں اٹھائی ہوئی تھیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس دوست نے رک کر جائزہ لیا ہوگا وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بالکل ثابت روٹی جو کہیں استعمال ہی نہیں ہوئی اس کے پاس ہے وہ تو ضائع ہوگئی انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ کسی وقت کسی اجتماعی قیامگاہ میں سوروٹی زائد چلی گئی تھی اور وہ بہر حال اگلے دن مہمانوں کو نہیں دی جاسکتی لیکن اس کو اکٹھا کریں۔ گھر والے بھی اکٹھا کریں اور انتظام تک یہ ٹکڑے پہنچائیں اور پھر یہ ٹکڑے گو اس قیمت پر تو نہیں بکتے جس قیمت پر آٹا خریدا جاتا ہے لیکن کچھ نہ کچھ پیسے تو واپس آجاتے ہیں اور دنیا کو اب اس کی بھی ضرورت ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ضائع نہ کریں بلکہ اگر بک سکتی ہے تو بیچیں۔ اگر سنبھالی جائے تو آئندہ کے لئے سنبھال لیں اور جماعت کا وہ حصہ جن کی

آمدنیاں قیمتوں میں اضافہ کے نتیجہ میں زیادہ ہوگئی ہیں ان کو اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہیئے اور اپنے آمد و خرچ کا بھی جائزہ لینا چاہیئے اور اپنی نسبت اور توازن کو جو انہوں نے لازمی اور دیگر مالی قربانیوں کا قائم کیا ہوا تھا اسے نیچے نہیں گرنے دینا چاہئے بلکہ کم از کم اسے ضرور قائم رکھیں تو تب بھی میرے نزدیک جماعت کی آمد میں تیس فیصد کا اضافہ ہوسکتا ہے یعنی ہمارے چندوں کی آمد تیس فیصد زیادہ ہو جائے گی۔ وہ تو دور کی بات ہے نزدیک کا یہ ہے کہ اسی مہینہ میں جلسہ سالانہ ہو رہا ہے اور میرے سامنے جو دوست بیٹھے ہیں ان کی بھاری اکثریت وہ ہے جس نے رضا کارانہ طور پر جلسہ سالانہ کا کام کرنا ہے۔ آپ میرے پہلے مخاطب ہیں آپ کو میں کہتا ہوں کہ ٹوٹی ہوئی سوئی بھی اگر آپ کو نظر آئے تو اسے سنبھال لیں کیونکہ ٹوٹی ہوئی سوئیاں بھی اگر ایک سیر بن جائیں تو ان کے بھی پیسے مل جاتے ہیں اور اگر کہیں روٹی کا ایک لقمہ بھی آپ کو گرا پڑا نظر آئے تو اسے بھی سنبھال لیں اس نیت سے سنبھال لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امت محمدیہ کو ایک لقمہ بھی ضائع کرنے کے لئے نہیں دیا گیا۔ تب آپ کو بڑا ثواب ملے گا اور آپ کے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیار اور محبت اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔ خدا کرے کہ بے شمار محبت ہم سب کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدا ہو جائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶؍دسمبر ۱۹۷۳ء صفحہ ۲ تا ۶)

۞۞۞